© rasailojaraid.com

نظرات

سالمیت کا تصور کوئی پرانا تصور نہیں ہے، ہندوستان کو متحد کرنے کا خیال سب سے پہلے اورنگ زیب کو آیا، اور اس نے اس مقصد کے لیے آخری ۲۵ سال دکن میں گذارے اوران ۲۵ برسوں میں اس کا مقابلہ دکن کی مسلم ریاستوں سے ہوتا رہا جو تقریباً سو برس سے خود مختار چلی آرہی تھیں، اورنگ زیب کی وفات تک اس کا قائم کردہ نظام پانچ چھ برس تک جوں کا توں قائم رہا، اس لیے اس کے جانشین بہادر شاہ اول کے عہدِ حکومت (۱۷۰۷ء سے ۱۷۱۲ء) تک کسی جگہ پتہ تک نہیں ہل سکا، اس نظام میں کمزوری اس وقت آئی جب مغل شاہی خاندان میں اقتدار کے لیے کشمکش شروع ہوئی اور تخت کا ہر دعویدار طاقت اور صوبیداروں اور سرداروں کی حمایت کا طلب گار ہوا جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ نہ صرف مغلوں کے حکمراں خاندان بلکہ صوبیداروں اور وزیروں میں بھی گروہ بندی اور کشمکش کا ایک ایسا سلسلہ شروع ہوگیا جس نے طاقت ور صوبیداروں کی خود مختاری، اور حکمرانوں کے انتخاب میں [illegible] اسی کشمکش کے دور میں سید برادران، حسین علی اور عبداللہ [illegible] اتنے طاقتور ہوگئے کہ جس شہزادے کو چاہتے بادشاہ بنا [illegible] معزول کر دیتے لیکن سید برادران کا یہ اقتدار [illegible]

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ے بعد [illegible] ملک کے گیارہ بارہ برسوں تک طوائف الملوکی کی حالت پیدا کرنے کے بعد دونوں بھائی بالآخر محمد شاہ کے زمانے میں قتل کر دیے گئے۔

اگر نادر شاہ کا حملہ ہندوستان پر نہ ہوتا تو ممکن تھا کہ مغل سلطنت محمد شاہ کے زمانے میں سنبھالا لے لیتی لیکن ۱۷۳۹ء میں دہلی کے قتل عام نے عظیم مغل حکمرانوں کے روایتی رعب و داب کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا اور صوبوں کی خود مختاری کے اس دور کو شروع کر دیا، جس کی بدولت عظیم مغل حکومت، بغیر ہاتھ پاؤں کے ایک جسد کی طرح ہو کر رہ گئی۔

بنگال میں، جس میں آج کل کے بہار، اڑیسہ اور آسام کا علاقہ بھی شامل تھا، علی وردی خاں نے خود مختاری کا اعلان کیا تو دکن میں نظام نے، جن کی قلمرو میں آج کے کرالا، مدراس، اور مہاراشٹر کا بیشتر حصہ شامل تھا، دہلی کی مرکزی حکومت سے رشتہ توڑ لیا۔ اودھ میں شجاع الدولہ کی حکومت، کانپور اور فتح پور سے لے کر بنارس تک پھیلی ہوئی تھی، خود مختار ہوگئی تو مغل حکمرانوں کے پاس فی الحقیقت دہلی کے سوا کوئی علاقہ ہی باقی نہ رہ گیا جس میں پنجاب شامل تھا۔ ان علاقوں میں سکھوں کی شورش، اور باقی ماندہ علاقوں میں مرہٹوں کی تگ و تاز نے، ہندوستان کو ٹھیک ٹھیک اسی دور میں پہونچا دیا جو قطب الدین ایبک کی آمد سے پہلے موجود تھا، اور جس میں اتنی بے شمار حکومتوں میں یہ ملک تقسیم تھا کہ آج باوجود کوشش کے سبھی راجاؤں کا نام بھی مؤرخوں کے لیے معلوم کرنا ممکن نہیں رہا ہے۔

مغل حکومت [illegible] کے دور میں جو خود مختار صوبیدار پیدا ہوئے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان کے سامنے ملک کے اتحاد اور سالمیت کا کوئی تصور تھا، اس کا جواب مشکل ہی سے ہاں میں دیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ ان میں سے ہر صوبیدار نہ صرف اپنی حکومت کے تحفظ اور حدود کو برقرار رکھنے کی فکر سے مجبور نظر آتا تھا، بلکہ ہم دیکھتے ہیں کہ دوسرے صوبیدار کو زک پہنچانے اور موقع ہے تو اس کے علاقے کا کچھ حصہ ہتھیا لینے کا کوئی موقع ہاتھ سے دینے پر تیار نہیں ہوتا۔

اس افراتفری اور آپا دھاپی کے دور میں انگریزوں کو اپنی قوت بڑھانے کا جو سنہری موقع ملا وہ اس زمانے کی سیاسی صورت حال میں بالکل قدرتی اور منطقی معلوم ہوتا ہے، اسی کشمکش اور خودغرضی، بلکہ صوبیداروں کے درمیان رشک و حسد کی کیفیات کی بدولت اورنگ زیب کی وفات کے صرف پچاس برس بعد، انگریزوں نے پلاسی کے میدان میں علی وردی خاں جیسے عظیم کمانڈر اور بے مثال منتظم اور طاقتور حکمراں کے جانشین سراج الدولہ کو ۱۷۵۷ء میں پلاسی کے میدان میں ایسی بے بسی کی حالت میں مبتلا کر کے، شکست دی کہ میر جعفر جیسے اس کے خاندان کے بزرگ افراد، اس کے طاقتور امیروں اور فوجی کمانڈروں کے ساتھ مل کر عین حالت جنگ میں اسے تنہا چھوڑ کر الگ جا کھڑے ہوتے۔ اور انگریزوں کی حمایت کے بل پر شجاع الدولہ نے روہیلوں کی بریلی کی حکومت کا خاتمہ کر دیا۔

پلاسی کی لڑائی کے بعد ہندوستان کے حکمرانوں کو ایک اور سنہری موقع متحدہ ہندوستان کی تشکیل کا ملا جب کہ ۱۷۶۱ء میں احمد شاہ ابدالی نے مرہٹوں کا زور توڑ کر ہندوستان کو، اس زمانہ کی سب سے بڑی شورش اور بدنظمی سے محفوظ کر دیا۔ لیکن اس وقت بھی ہمیں، متحدہ ہندوستان کا کوئی تصور کسی حکمراں کے ذہن میں دکھائی نہیں دیتا کیونکہ اس کے اگلے ہی سال جب ۱۷۶۲ء کے باغی اور اس وقت کے بنگال کے حکمراں میر قاسم نے شاہ عالم اور شجاع الدولہ کی امداد اور تعاون کے یقین پر انگریزوں کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بڑھتے ہوئے اقتدار کو روکنے کی آخری کوشش کی تو شجاع الدولہ نے انگریزوں کی صرف اودھ کی حکمرانی پر قائم رہنے کی ضمانت پر عین وقت پر بکسر کے میدان سے اپنی فوجیں ہٹا لیں، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ شاہ عالم اور میر قاسم کو اس فیصلہ کن شکست سے دوچار ہونا پڑا، جس کے نتیجے میں میر قاسم تو سیاسی منظر سے اس طرح غائب ہوئے کہ آج تک ان کے انجام کا پتہ نہیں چلا اور بکسر کے میدان میں شکست یافتہ شاہ عالم بے چارگی اور بے بسی کے عالم میں انگریزوں کے وظیفہ خوار بن کر کٹھ پتلی حکمراں کی حیثیت پر اکتفا کرنے پر مجبور کر دیے گئے۔

اگر سچ پوچھئے تو ہندوستان سے مغل حکمران کا خاتمہ ۱۷۶۵ء میں اسی وقت ہو گیا تھا جب کہ الہ آباد کے صلح نامہ کے ذریعہ شاہ عالم نے سیاسی اقتدار انگریزوں کے حوالے کر کے، ایک وظیفہ خوار بادشاہ کی حیثیت سے لال قلعہ میں سکونت اختیار کرنے پر رضامندی دیدی تھی۔ اس کے بعد جو کچھ ہوا وہ ایک ایسا منطقی عمل تھا، جس کی بدولت مغلوں کی رسمی سربراہی کی حیثیت رفتہ رفتہ مٹنے کا کام تکمیل تک پہونچا۔

۱۷۶۵ء کے ۳۰ سال بعد ہمیں، دور جنوب کی میسور حکومت کے دو حکمرانوں، حیدر علی اور ٹیپو سلطان کی حکمت عملی اور فکر و نظر کے دائروں میں ملکی سالمیت کے دھندلے تصور کی موجودگی کا احساس ہوتا ہے، جنہوں نے انگریزی اقتدار کے خاتمہ کو پہلی ترجیح دیکر ان کے خلاف ایک طویل مہم چلائی اور حیدر علی کی جنگی مہارت کے طفیل، چند دنوں کے لیے ایسا محسوس بھی ہونے لگا کہ ہندوستان میں انگریزی اقتدار کے دن ختم ہونے کے قریب پہونچ گئے ہیں، لیکن حیدر علی کی زندگی نے وفا نہیں کی، اور ان کا عین اس وقت انتقال ہو گیا جبکہ وہ مدراس اور ارکاٹ میں انگریزوں کو فیصلہ کن شکستیں دیکر، اگلے محاذ کی طرف پیش قدمی کی تیاری کر رہے تھے۔ ان کے بعد ٹیپو سلطان کی طرف سے افغانستان، ترکی کے حکمرانوں یہاں تک کہ فرانس کے حکمران

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یورپ کے فاتح جنرل نپولین سے انگریزوں کے خلاف فوجی مدد کی درخواست کے ساتھ سفارتوں کی روانگی سے ایسا تاثر پیدا ہوتا ہے، جیسے انھوں نے پورے ہندوستان کی سالمیت کے تصور کے ساتھ اپنے عمل و کار کا دور رس نقشہ مرتب کر رکھا تھا لیکن اور کسی طریقہ سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ فی الحقیقت میسور کی حکومت کے تحفظ کے علاوہ پورے ملک کا مفاد ان کے مدنظر ہو۔ ان کی آخری تقریر سے بھی یہ مترشح نہیں ہوتا کہ انہوں نے میسور کے سوا متحدہ ہندوستان کے تصور پر اپنی جدوجہد کی بنیاد رکھی تھی، انھوں نے انگریزوں کے ساتھ سری رنگ پٹنم کے قلعہ کے باہر دست بدست جنگ میں شہید ہونے سے تھوڑی دیر پہلے اپنے اعیان حکومت کے سامنے، جن میں ان کے غدار کمانڈر میر صادق، اور وزیر مالیات پورنیہ شامل تھے، آخری خطاب میں اپنے وفادار اور قابل ترین کمانڈر سید غفار کی شہادت کے بعد کہا تھا کہ

"سید غفار شہید ہو گیا ہے۔ سید غفار کبھی نہیں ڈرا وہ آخری دم تک وفادار رہا، سید قاسم اس کی جگہ سنبھال لے۔ اب دولت کو معلوم ہو گیا ہے کہ غلطی کہاں ہوئی، اور سری رنگ پٹنم کا یہ قلعہ کیسے غداروں سے بھرا ہوا ہے۔ مگر افسوس یہ سب کچھ بعد از وقت ہے۔ میں تمہارے درمیان موجود نہیں رہوں گا، مگر اس غداری کا نتیجہ تمہیں اس وقت معلوم ہوگا جبکہ تمہاری نسلیں اس ملک میں محتاج و ذلیل بن کر ایک ایک مٹھی چاول اور پیاز کی ایک ایک ڈلی کو ترسیں گی۔"

یہاں اس بات بلکہ اس نکتہ کو بھی پوری طرح ملحوظ رکھنے کی ضرورت ہے کہ انگریزوں نے میسور کی آخری لڑائی سے زیادہ تیاریوں کے ساتھ [illegible] ہمارے پاس جو بھی تاریخی شہادتیں ہیں ان [illegible] سے معلوم [illegible] پٹنم کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

محاصرہ کے وقت انھوں نے صرف اندر کے دغا بازوں اور غداروں کی اعانت اور آلۂ کاروں کی تخریبی کارروائیوں پر بھروسہ کو ناکافی سمجھ کر، نظام حیدرآباد کے علاوہ شمال کی اودھ حکومت سے بھی باقاعدہ امداد طلب کی تھی، اور اودھ اور نظام کی باقاعدہ فوجیں ان کے ساتھ سری رنگا پٹنم کے محاصرہ میں شامل تھیں، ۴ مئی ۱۷۹۹ء کو ٹیپو سلطان کی شہادت اور میسور حکومت کے خاتمہ کے بعد، اودھ حکومت کی طرف سے فوجی کمانڈر ہنری مارٹن، اور نظام حیدرآباد کی طرف سے میر عالم کی جو عزت افزائی ہوئی اور انھیں انعام واکرام سے جس طرح سرفراز کیا گیا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان کی سالمیت کا تصور اس وقت کتنا کمزور اور معدوم ہو چکا تھا۔

ایک جملہ معترضہ کے طور پر یہ بات کہنے میں حرج نہیں ہے کہ ہنری مارٹن نے انگریزوں اور اودھ حکومت سے ملی ہوئی انعامی رقم سے مارٹن پوروہ کی بستی بسائی، اور وہ لامارٹینز اسکول قائم کیا جو آج ہندوستان بھر میں انگلش میڈیم کا ممتاز تعلیمی ادارہ سمجھا جاتا ہے اور میر عالم نے اپنی انعامی رقم سے تالاب میر عالم نام کا وہ تالاب تعمیر کردیا جو کچھ دنوں پہلے تک حیدرآباد اور سکندرآباد کے جڑواں شہروں میں عوامی آب رسانی کا واحد ذریعہ تھا۔

جہاں تک انگریزی حکومت کے استحکام اور ہندوستان میں نوآبادیاتی نظام کے استقلال کا سوال ہے تو یہ کام میسور کی لڑائی کے نتیجہ میں پورا ہو چکا تھا، اس کے بعد کے جتنے واقعات ہیں، وہ پرانے نظام کی باقیات کے خاتمہ کے مقصد کے تحت کیے گئے، جہاں تک ۱۸۵۷ء کی عوامی جنگ آزادی کا سوال ہے، تو اس میں بھی متحدہ ہندوستان اور سالمیت کے تصور کے اظہار کی کوئی علامت موجود نہیں تھی، اول تو یہ ساری جدوجہد شمالی ہندوستان تک محدود تھی، راجستھان، پنجاب، اور جنوب کی ریاستوں میں اس جدوجہد کا کوئی اثر نہ تھا، دکنی علاقوں کا کوئی حکمراں اس جدوجہد

© rasailojaraid.com

میں شریک تھا، اس کے برعکس پٹیالہ نابھہ، کپورتھلہ، جے پور، جودھپور [illegible] گوالیار بلکہ نیپال تک کی فوجوں نے اس بغاوت کو کچلنے میں پورا حصہ لیا۔ امداد کی [illegible] انگریزی فوج کے ساتھ گورکھوں، راجپوتوں، مراٹھوں، اور سکھ رجمنٹوں کی [illegible] بھی ماضی قریب تک بڑے بوڑھوں کی زبان پر رہی ہیں۔

ان حقائق کی موجودگی میں، یہ بات شبہ سے بالاتر معلوم ہوتی ہے کہ ہندوستان کی سالمیت اور ایک ملک کا تصور، انگریزوں نے پیدا کیا، اور مغل دور میں صرف اورنگ زیب عالمگیر ایک ایسا بادشاہ تھا، جس نے ہندوستان کے سیاسی تشخص اور ایک ملک کے تصور پر کام کیا تھا اور اس تصور کو عملی جامہ پہنانے کی جدوجہد میں اپنی زندگی کے آخری ۲۵ برس گذارے تھے، اور آخری عمر میں اس مقصد کو حاصل بھی کرلیا تھا۔ ان کے بعد ان کے جانشینوں میں، کوئی اس قابل نہ ہوا کہ اس تصور کو باقی رکھ سکتا۔

انگریزوں نے البتہ متحدہ ہندوستان کے تصور کو اپنی سیاسی اور سامراجی مصلحتوں سے اس طرح عملی جامہ پہنایا کہ اس کے ساتھ انتظامی سہولتوں کے لیے برما، سیلون اور عدن تک کو دہلی کے مرکزی انتظامیہ میں شامل کر رکھا تھا، اور انہوں نے ہی افغانستان، نیپال، چین اور روس کے متوقع حملوں، اور خطروں کے مقابلہ کے لیے شمالی مشرقی، اور شمالی مغربی ہندوستان کی سرحدیں متعین کی تھیں، اسی احتیاطی تدبیر کے سلسلے میں وہ مشہور میکموہن لائن بھی انہوں نے ہی مقرر کی تھی جو بعد میں ہند چین تنازعہ کا سبب بنی، اور آج تک چلی آرہی ہے۔ اس اعتبار سے کہا جا سکتا ہے کہ ہندوستان کے سیاسی تشخص متحدہ ملک اور سالمیت کا تصور بھی، ویسا ہی نیا اور انگریزوں کا قائم کردہ ایک تصور ہے، اور جمہوری نظام ہائی کورٹ، سپریم کورٹ، ڈاک تار کے نظام، اور ریلوے کی طرح ان چیزوں میں سے ہے جو انگریزوں سے نئے ہندوستان کو وراثت میں ملی تھیں۔